افاداتِ سلیم چشتی

فلاسفہ کا تصوّرِ خدا

حکمااور فلاسفۂ عالم نے افلاطون اور ارسطو سے لے کر الیگزینڈر اور وہایٹ ہیڈ تک ذات باری کے جو تصورات پیش کئے ہیں وہ ناقص اور موردِ اعتراضاتِ عقلیہ ہی نہیں ہیں بلکہ باہمد گر مختلف بھی ہیں۔ ہر فلسفی نے اپنے پیش روؤں یا ہمعصروں کی تغلیط کی ہے اور اپنا نظریہ بڑے وثوق اور جزم کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور اس اختلاف کثیر کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فلسفہ الٰہیات کا طالب علم حیران اور ششدر ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس مختصر حاشیے میں اس حقیقت کی وضاحت ناممکن ہے' اگر ایسا کروں تو یہ حاشیہ ایک مستقل کتاب بن جائے گا۔ مختصراً عرض کرتا ہوں کہ پورے ۶۵ سال تک الٰہیات کا مطالعہ کرنے کے بعد علیٰ وجہ البصیرت' اکبرالہ آبادی مرحوم کا ہمنوا ہو کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ ؎

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

اکثر فلاسفہ کے پیش کردہ تصورات کا مطالعہ کرنے کے بعد دل یہ بات کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایسے ناقص' عاجز اور محدود اور مضطر خدا کو تسلیم کرنے سے تو اس کا انکار کرنا زیادہ قرین عقل ہے۔

لیکن میرے قیاس کی رو سے حضرت مصنف مرحوم کی مراد جن حکماء سے ہے وہ ارسطو اور اس کے شارحین یا مقلدین ہیں' کیونکہ درس نظامیہ میں بالعموم ارسطو اور اس کے شارحین ہی کا فلسفہ داخل نصاب ہے۔

ڈیکارٹ' مالی برانش' اسپنوزا' لائبنز' لاک، برکلے' کانٹ' فختے' اور ہیگل'

شیلنگ اور ان کے متبعین کا فلسفہ متداول نہیں ہے۔ اور اہل علم سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی کے یورپین خدا پرست حکما کانٹ اور ہیگل انہی دونوں کے شاگرد یا خوشہ چیں ہیں جس طرح ازمنہ وسطی تک تمام حکماء افلاطون اور ارسطو کے متبع تھے اور سچی بات تو یہ ہے کہ یورپ کا فلسفہ الہیات بقول وہائٹ ہیڈ ، فلسفہ افلاطون کی شرح ہے۔

اس لئے میں اس حاشئے میں صرف ارسطو کی الہیات کا خلاصہ درج کئے دیتا ہوں تاکہ ناظرین پر مصنف مرحوم کے اس قول کی صداقت واضح ہو جائے کہ حکماء کے فلسفے میں ظلمت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

تمہید

ارسطو کی تمام تصانیف میں اس کی "مابعد الطبیعات" کو گلِ سرسبد کا مرتبہ حاصل ہے۔ اگر اس کتاب کی خصوصیات بیان کرنے لگوں تو یہ حاشیہ بجائے خود ایک کتاب بن جائے گا۔ اس لئے صرف اس بات پر اکتفا کرتا ہوں کہ اس کتاب میں چودہ ابواب ہیں اور بارہویں باب میں ارسطو نے الہیات سے بحث کی ہے۔ اس باب میں دس فصلیں ہیں ' اور آخری پانچ فصلوں میں ذاتِ واجب اور اس کے تضمنات پر اپنے افکار پیش کئے ہیں۔

اس باب میں ارسطو کی فلسفیانہ فکر اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ دو ہزار سال سے حکمائے عالم اس باب کی شروع لکھ رہے ہیں۔ مسلمان اور عیسائی متکلمین نے یہی اس کی مابعد الطبیعات اور خصوصاً باب دوازدہم پر اپنی توجہ مبذول کی ہے جن میں علامہ ابن رشد کا نام سرفہرست ہے۔ علامہ موصوف کی شرح مابعد الطبیعات سے عیسائیوں کے سب سے بڑے متکلم طاس ایکوئناس نے معتدبہ فیض حاصل کیا۔ اس نے اپنی مشہور تالیف "الہیات" میں علامہ موصوف کا نام لئے بغیر ان کی طویل عبارتیں نقل کی ہیں۔ ملا باقر داماد ' ملا صدرا ' اور ملا ہادی سبزواری ' سب نے ابن رشد ہی کے خوان علم سے ریزہ چینی کی ہے۔

فلسفے کے بنیادی اور مشہور ترین مذاہب تین ہیں۔ باقی تمام مذاہب انہی کی ترقی یافتہ یا ترمیم شدہ صورتیں ہیں۔

۱..... مادّیت۔ (MATERIALISM) اس کا نمائندہ اور ناظم دیمقراطیس ہے، اس فلسفے کی رو سے مادہ، اصل کائنات وحیات ہے۔ روح اسی کی اعلیٰ صورت ہے۔ بذات خود اس کی کوئی اصلیت یا حقیقت نہیں ہے۔

۲..... تصوریّت (IDEALISM) اس کا نمائندہ اور مدوّن افلاطون ہے۔ اس فلسفے کی رو سے، روح مجرد (تصوّر) اصل حیات و کائنات ہے۔ مادہ اسی کی ادنیٰ صورت ہے بذات خود اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تصوّرات (مثل افلاطون) اصل حقائق ممکنات ہیں اور ممکنات انہی IDEAS کے عکوس واظلال ہیں۔

۳..... خارجیّت۔ (REALISM) اس کا نمائندہ اور مرتب ارسطو ہے۔ اس فلسفے کی رو سے روح اور مادہ دونوں حقیقی ہیں، موجود فی الخارج ہیں اور اصل حیات و کائنات ہیں۔

یہ تینوں فلسفے تین ہزار سال سے آپس میں برسرپیکار ہیں اور ہر دور میں ان فلسفوں نے نئے ناموں اور نئے لباسوں کے ساتھ جلوہ دکھایا ہے اور ظاہر پرستوں کو اپنا دیوانہ بنایا ہے۔

یہ تینوں فلسفے آریائی ذہانت و فطانت کی پیداوار ہیں۔ اربابِ علم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ جب آریوں نے اپنے وطن کو خیرباد کہا تو اس قافلے کا ایک حصہ ایران ہوتا ہوا یونان میں سکونت پذیر ہوا۔ اور دوسرا حصہ درہ خیبر کو عبور کر کے شمالی ہندوستان میں وارد ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندی اور یونانی فلسفے میں حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے اور کوئی شخص اس صداقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ منطق، فلسفہ اور الٰہیات میں ساری دنیا ان آریوں ہی کی شاگرد ہے۔

آمدم برسرِ مطلب،

مذکورہ بالا تصریحات سے علمی دنیا میں ارسطو کے مقام کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ دنیا کا کوئی فلسفہ نہ تو ناظورۂ حقیقت کو بے نقاب کر سکا ہے اور نہ بنیادی مسائل کا تسلی بخش حل پیش کر سکا ہے۔ اسی لئے لسان الغیب حافظ شیرازی نے ہمیں متنبہ فرما دیا ہے۔

حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو
کہ کش نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

ترجمان حقیقت اکبرالٰہ آبادی نے اسی نکتہ عالیہ کو یوں بیان کیا ہے۔

انکشاف راز ہستی عقل کی حد میں نہیں
فلسفی یاں کیا کرے اور سارا عالم کیا کرے

حافظ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی حکمت (عقل) کی مدد سے "راز دہر" کو دریافت نہیں کر سکتا اور اکبر کہتے ہیں کہ "رازِ ہستی" کا انکشاف، عقل کی دسترس سے باہر ہے۔ دونوں نے ایک ہی بات کہی ہے، کیونکہ رازِ دہر اور رازِ ہستی دراصل ایک ہی معتبر کی دو تعبیریں ہیں۔ ایک نے اسے دہر سے تعبیر کیا دوسرے نے ہستی سے۔ خوب غور کر کے دیکھ لو! نہ کائنات سمجھ میں آتی ہے نہ ہستی کا کچھ سراغ ملتا ہے۔

ماز آغاز و زانجام جہاں بے خبریم
اول و آخرِ ایں کہنہ کتاب افتاد است

پورے ۵۸ سال تک فلسفیانہ مسائل میں غور و فکر کیا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ آج بھی وہیں ہوں جہاں ۱۹۱۴ء میں تھا۔ دنیا جہان کا فلسفہ پڑھ لینے کے بعد بھی نہ کسی سوال کا جواب دے سکتا ہوں نہ کسی مسئلے کو حل کر سکتا ہوں۔ اور اپنی حقیقت نہ اس وقت معلوم تھی نہ آج معلوم ہے۔ خیر و شر اور جبر و اختیار کی گتھی نہ اس وقت سلجھا سکتا تھا نہ آج سلجھا سکتا ہوں۔ مجھی پر کیا موقوف ہے عصر حاضر کے سب سے بڑے علمبردار تصوریت مطلقہ رادھا کرشن نے بھی نارسائی فہم کا اعتراف کیا ہے۔

اسی لئے مجبور ہو کر اقبال کی اس نصیحت پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔

بچشم عشق نگر تا سراغ او یابی
جہاں بچشم خرد سیمیا و نیرنگ است

اس تمہید کے بعد اب ارسطو کے تصوّرِ ذاتِ باری کا خلاصہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ انسانی عقل کس قدر عاجز اور درماندہ ہے۔

اسی لئے تو اقبال نے یہ کہا ہے۔

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات

اثباتِ واجب

ارسطو نے ذاتِ واجب پر جو دلیل مرتب کی ہے اسے ہم جدید اصطلاح میں دلیلِ آفاقی کہتے ہیں۔ یہ دلیل مابعد الطبیعات کے باب دوازدہم سے ماخذ ہے اس نے ذاتِ واجب پر حرکت سے استدلال کیا ہے۔

۱..... اشیاء کائنات کی اصل جواہر ہیں۔ چونکہ تمام جواہر معرض فنا میں ہیں اس لئے تمام اشیاء فانی ہیں۔

۲..... لیکن دو چیزیں غیر فانی ہیں (کیونکہ وہ غیر ممکن التولید ہیں) اور یہ دو چیزیں تغیرؔ اور زمان ہیں۔ زمان اس لئے غیر فانی ہے کہ اس سے قطع نظر کر کے قبلیت اور بعدیت کا کوئی تصور نہیں ہو سکتا۔ اور تغیرؔ زمان کے ساتھ مسلسل ہے۔

۳..... مسلسل تغیرؔ دراصل صرف تغیرؔ مکانی ہے اور مسلسل تغیر مکانی صرف حرکت متدیرہ کا ہے اس لئے ایک ازلی متدیرہ کا وجود عقلاً ضروری ہے۔

۴..... ازلی حرکت کے صدور کے لئے۔

(ا) ایک ازلی (ذاتِ واجب) کا وجود لازمی اور ضروری ہے۔

(ب) اس میں ایک ایسی اصل کا ہونا ضروری ہے جو حرکت کی علت بن سکے۔

(ج) اس ازلی جوہر میں صرف یہ قدرت کافی نہیں ہے بلکہ اسے اس قدرت کو فعل میں بھی لانا چاہئے۔

(د) اس جوہر ازلی کا ذاتی تقاضا قدرت نہیں بلکہ فعلیت ہونا چاہئے کیونکہ اگر فعلیت اس کی ذات کا اقتضا نہ ہو تو یہ ممکن ہے کہ کسی وقت وہ اس قدرت پر عامل نہ ہو اور اس صورت میں حرکت ازلی نہ ہوگی۔

۵..... کوئی ذات ایسی ہے جو افلاک کو حرکت دے رہی ہے لیکن جو (ذات) محرک ہے مگر خود بھی متحرک ہے وہ کسی دوسرے محرک کی محتاج ہے۔ اور اگر وہ محرک بھی متحرک ہے تو اس کے لئے دوسرے محرک کی ضرورت ہے اور چونکہ ذوات متحرکہ کا لامتناہی سلسلہ عقلاً محال

ہے اس لئے ایک ایسی ذات کا وجود ضروری ہے جو محرک تو ہو مگر خود متحرک نہ ہو۔

۶..... لہٰذا ایک محرکِ غیر متحرک کا وجود عقلاً ثابت ہو گیا۔ یہی خدا ہے۔

۷..... اس محرکِ غیر متحرک کے لئے ضروری ہے کہ وہ غیر طبعی طریقے سے دوسرے کو حرکت دے۔ اگر یہ سوال ہو کہ جو ذات خود' غیر قابل حرکت ہے اور اس میں حرکت نہیں ہے وہ دوسرے کو کیسے متحرک کر سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا اسی طرح کائنات کو حرکت دیتا ہے جس طرح کوئی جمیل یا محبوب 'شئی' دوسرے کو متحرک کر دیتی ہے مثلاً مصوّر یا فطرت کا شاہکار ہمیں اپنی طرف کھینچتا ہے حالانکہ وہ خود ساکن رہتا ہے۔ اسی طرح وہ نصب العین جسے ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں' خود متحرک ہوئے بغیر ہمیں متحرک کر دیتا ہے۔ بس اسی طرح "ازلی تصور" یہ ارسطو کی اصطلاح میں (واجب الذاتہ کا اصطلاحی نام ہے) خود متحرک ہوئے بغیر' مادے کو متحرک کرتا رہتا ہے۔

۸..... محرک اول (واجب لذاتہ یا خدا) فلکِ اول کو بلاواسطہ متحرک کرتا ہے۔ فلک اول میں محبت کا مادہ موجود ہے اس لئے اس میں نفس ناطقہ (SOUL) بھی لازمی موجود ہے۔ یعنی فلک اول ایک ذی حیات ہستی ہے۔

۹..... فلک اول کے علاوہ جس قدر افلاک اور سیارے ہیں انہیں عقول حرکت دیتی ہیں۔ یہ عقول' جو بقول ارسطو پچپن یا سینتالیس ہیں۔ سب کی سب قدیم بالزمان ہیں۔ اگرچہ حادث بالذات ہیں۔

۱۰..... محرکِ اول واجب الذاتہ' محض صورۃ (FORM) ہے۔ ہیولیٰ (مادے) سے پاک ہے محض فعلیت ہے۔ غیر مادّی ہے۔ اس میں نہ خواہش ہے نہ ارادہ ہے نہ احساس ہے بلکہ وہ محض ادراک ہے۔ اس میں کوئی طبیعی فعلیت نہیں ہے محض عقلی فعلیت ہے۔ وہ محض خیر ہے اور ازلی ہے وہ الحیّ ہے مگر مشخّص نہیں ہے۔ چونکہ کوئی شئے خدا سے اعلیٰ نہیں ہے اور اس کی فکر صرف اعلیٰ کا تصوّر کر سکتی ہے اس لئے وہ صرف اپنا تصوّر کر سکتا ہے یعنی کائنات کا تصوّر اس کے لئے محال ہے۔ خدا خود ہی اپنی فکر کا معروض ہے۔ چونکہ وہ اپنی ذات کے علاوہ کسی شئے کا تصوّر نہیں کر سکتا اس لئے کائنات کے حوادث اور واقعات سے بے تعلق ہے۔ انسان تو خدا سے محبت کر سکتا ہے مگر خدا کسی انسان سے محبت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اسے کسی شئے کی حاجت نہیں ہے۔ وہ فکر خالص ہے' کافی بالذات ہے۔ نہ

اس میں محبت ہے نہ نفرت' نہ ارادہ نہ کوئی آرزو' نہ اخلاقی صفات نہ کسی سے کوئی علاقہ۔ وہ اپنی فکر میں فکر کرتا رہتا ہے۔ اسی لئے وہ کائنات کے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔ وہ ہر شئے کا مقصود ہے مگر وہ ہر شئے سے بے تعلق ہے۔ بس وہ اپنی ذات ہی میں فکر کرتا رہتا ہے۔ خود ارسطو کے الفاظ ہیں۔ "اس کی فکر اپنی فکر میں فکر کرنا ہے دگر ہیچ" (مابعد باب ۱۲۔ فصل ۹)

خلاصہ ء کلام اینکہ ارسطو کا خدا ازلی ہے غیر متحرک ہے۔ غیر متغیر ہے' واجب ہے' کائنات سے جدا ہے' غیر مادی ہے' کل ہے' خیر محض ہے' اعلیٰ ہے' علۃ العلل ہے' ہر تغیّر کی علت ہے' سراسر فعلیت سب سے بے نیاز ہے۔

چونکہ وہ خیر محض ہے اس لئے اسے شر کا کوئی علم نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہو نہیں سکتا۔ علم کے علاوہ خدا میں کوئی فعلیت نہیں ہے اور علم بھی صرف اپنے علم کا علم ہے نہ کہ غیر (کائنات) کا۔ علّت تامّہ ہونے کی حیثیت سے خدا سے معلول (عقل فعّال) کا صدور ہوا۔ اسی صدور میں خدا مجبور ہے۔ وہ چاہے بھی تو اس صدرو کو نہیں روک سکتا۔ یہی عقل فعال' صانعِ عالم ہے۔ (کتاب النفس)

۱۱۔ ارسطو اس کائنات کو ازلی (قدیم) مانتا ہے۔ نہ اس کا آغاز ہے نہ انجام۔ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی۔ مادہ اور روح (نفس ناطقہ) بھی ازلی ہیں (اسی لئے عالم قدیم ہے)۔

۱۲۔ مابعد الطبیعات میں ارسطو نے یہ کہا ہے کہ خدا اس کائنات سے جدا ہے اور بے تعلق ہے یعنی وراء الکائنات ہے مگر کتاب النفس (DE ANIMA) میں وہ خدا کو داخل کائنات قرار دیتا ہے۔ خدا ہر فرد میں جاری و ساری ہے۔

نوٹ...... ارسطو بھی افلاطون کی طرح اکثر مقامات میں مبہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے شارحین میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ الیگزینڈر کچھ کہتا ہے' ابن رشد کچھ فرماتے ہیں۔ طامس ایکوناس کچھ کہتا ہے' ڈاکٹر اس کچھ کہتا ہے۔ ۱۲

ارسطو کے تصور باری (واجب الذاتہ) پر تنقید

میں اس مختصر حاشئے میں ارسطو کے تصور واجب لذاتہ پر مفصل تنقید نہیں کر سکتا' صرف چند اشارات پر اکتفا کروں گا۔

ا۔ ارسطو کا یہ قول (نظریہ) کہ خدا صرف اپنی فکر میں فکر کرتا رہتا ہے، میرے نزدیک ہی نہیں، اکثر نقادان فلسفہ ارسطو کی رائے میں بڑا مضحکہ خیز ہے۔ اگر علامہ ابن ارشد آج زندہ ہوتے تو میں بڑے مؤدبانہ انداز میں ان سے پوچھتا کہ حضرت! کسی مفکر کے محض اپنی فکر میں فکر کرتے رہنے اور ایک فعل عبث میں کیا فرق ہے؟ اگر کوئی شخص ایسا فعل کرے جس کا کبھی کوئی ثمرہ یا نتیجہ مرتب نہ ہو تو ہم اسے حماقت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ارسطو کے خدا کا یہ فعل "تفکر فی التفکر" حماقت کیوں نہیں ہے؟

کیا خدا کی شان ہے! مرشد رومیؒ اگر یہ فرمائیں کہ

آئینہ دل چوں شود صافی وپاک
نقش ہابینی بروں از باد وخاک

تو پیروانِ ارسطو (معتزلہ) اسے خللِ دماغ سے تعبیر کریں۔ اور اگر ارسطو، واجب لذاتہٖ کو اس حماقت عظمیٰ کا مرتکب ٹھہرائے تو یہ حضرات اسے "معلمِ اول" کا خطاب عطا کریں۔

(۱)۔ کیا یہ بات قرینِ عقل ہے کہ خدا خود ہی علم کا موضوع بھی ہو اور خود ہی معروض بھی ہو؟

(۲)۔ کیا اس بات سے خدا کی کوئی عظمت ثابت ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی فکر (قوتِ مدرکہ یا متفکرہ) میں فکر کرتا رہتا ہے؟۔

(۳)۔ مانا کہ خدا کو اپنی ذات کا علم ہے مگر اس علم میں غور وفکر کرنے سے ہم کو یا کائنات کو کیا حاصل ہوا؟

(۴)۔ خدا کے اس بات میں فکر کرتے رہنے سے کہ میں فکر کر رہا ہوں نتیجہ کیا مرتب ہوا؟ یہ تو ایسا ہی ہے کوئی شخص پانی کو بلونا شروع کر دے!

(۵)۔ بلاشبہ ہم ایسے خدا کو جس کی فکر معروض صرف اس کی فکر ہو، اس آئینے سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو کسی دوسرے آئینے کے مقابل رکھا ہوا ہو۔ اگر دو آئینے بالمقابل رکھ دیئے جائیں تو کیا کوئی ثمرہ مرتب ہو سکتا ہے؟ کیا ان دونوں آئینوں کا وجود بیکار نہیں ہو گا؟

(۶)۔ جب خدا اس کائنات سے بے تعلق ہے بلکہ اسے نہ حوادث کا علم ہے نہ جزئیات

کا، نہ شر کا (اور ہر شخص جانتا ہے کہ یہاں یعنی اس عالم میں شر کا عنصر، خیر پر غالب ہے جتنی دیر میں ایک نیکی رونما ہوتی ہے اتنی دیر میں کم سے کم نو یا دس برائیاں ظہور پذیر ہو جاتی ہیں، جسے شک ہو صرف ایک دن، اپنے شہر کے حالات و واقعات و حوادث کا استقصاء کر کے دیکھ لے) تو سوال یہ ہے کہ ہمارے لئے ایسے خدا کا وجود اور عدم دونوں یکساں ہوئے یا نہیں؟ جب وہ ہم سے بے تعلق ہے تو ہم اس سے بے تعلق ہو جائیں گے۔ تالی ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے بجتی آئی ہے۔

یہ اتنا زبردست اعتراض ہے کہ ارسطو کے تمام شارحین سخت مضطرب نظر آتے ہیں مگر بے دست و پا ہیں

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریّا می رود دیوار کج،

الگزنیڈر (اولین شارح ارسطو) نے اپنے آقا (استاد) کو اس اعتراض سے بچانے کے لئے انتہائی کوشش کی ہے مگر کامیابی نہیں ہو سکی کیونکہ ارسطو نے مشیئتِ ایزدی کی مطلق نفی کر دی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن رشد نے بھی اگرچہ یہ تسلیم کیا ہے کہ خدا اس کائنات کا خالق نہیں ہے اور نہ وہ فعّالٌ لِّمَا یرید ہے (کیونکہ اس سے عقل فعال کا صدور اس کی مرضی سے نہیں ہوا ہے لہٰذا وہ فاعل مختار ہستی نہیں ہے) تاہم عالم کلیات ہے تا کہ مشیتِ ایزدی کے لئے کسی حد تک گنجائش پیدا ہو سکے لیکن علاّمہ موصوف اور ان کی اتباع میں طامس ایکوئناس نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب "ایجادِ بندہ" کا مصداق ہے یعنی انہوں نے اپنی طرف سے اپنے استاد کی حمایت کی ہے۔ خود ارسطو کی تصانیف سے ان شارحین کی تائید نہیں ہو سکتی۔

نوٹ۔ خدا کے فضل سے ارسطو کی تمام کی تمام تصانیف میرے پاس موجود ہیں اور مابعد الطبیعات کا اصلی یونانی متن بھی میرے پاس ہے جس پر ڈاکٹر راس (ROSS ————) نے مقدمے کے علاوہ حواشی بھی لکھے ہیں اور انگریزی میں دو ترجمے بھی میرے پاس ہیں۔ یہ وہی کتاب ہے جسے ابن سینا نے چالیس مرتبہ پڑھا تھا۔ ۱۲

۷۔ اگرچہ علامہ ابن رشد، طامس ایکوئناس اور ڈنس اسکوٹس نے ارسطو کو متشخّص خدا کا قائل کرنے کی کوشش کی ہے یعنی ایسا خدا جو انا کہہ سکے، انسانوں سے خطاب کر سکے،

پکار کا جواب دے سکے' محبت کر سکے وغیرہ مگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ارسطو کے یہاں خدا نہ خالق کائنات ہے اور نہ منتظم کائنات ہے وہ کائنات سے بالکل بے تعلق ہے۔ صرف اپنی فکر میں فکر کرتا رہتا ہے۔ یہی فکر فی الفکر اس کا وظیفہء حیات ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی فعلیت نہیں ہے۔

ارسطو نے ما بعد الطبیعات کے علاوہ کتاب السیاست اور کتاب الاخلاق میں بھی اس بات کو واضح کیا ہے کہ خدا کی فعلیت صرف تفکر ہے اسے اپنی ذات کا علم ہے اور وہ اس علم میں فکر کرتا رہتا ہے۔ خدا کا علم اپنی ذات کے علم میں محصور ہے۔ ارسطو نے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ اگر خدا' دنیا کے معاملات میں دلچسپی کا اظہار کرے تو یہ اظہار منافی کمال ذاتی ہو گا۔

۸۔ ارسطو کے نزدیک خدا خالق کائنات نہیں ہے۔ مادہ ازلی ہے اور حرکت بھی ازلی ہے۔ اس نے نظریہء تخلیق کے خلاف متعدد دلائل قائم کئے ہیں۔

یہ بات میں نے اس لئے لکھی ہے کہ یہاں میں ناظرین کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ارسطو کے فلسفے اور مذہب اسلام کی بنیادی تعلیمات میں بُعد المشرقین ہے۔ اور معتزلہ کے زمانے سے لے کر عصر حاضر تک مذہب اور فلسفے میں تطبیق کی جس قدر کوششیں کی گئی ہیں وہ سب لاحاصل ہیں۔

مثلاً انیسویں صدی میں مغربی سائنس اور فلسفے سے مرعوب ہو کر ثناخوان دولت برطانیہ اور خیر خواہ تاج انگلینڈ سرسید احمد خان بہادر کے سی ایس آئی نے قرآنِ حکیم کی تفسیر لکھی لیکن اپنی انتہائی کوشش کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے کہ مذہب اور فلسفہ ہم آہنگ ہیں۔ اور عقل و نقل میں مطابقت پائی جاتی ہے۔ جب تک ایک مسلمان خدا کے خالق ہونے کا انکار نہ کرے وہ فلسفے اور مذہب میں تطبیق کی صورت پیدا کر ہی نہیں سکتا۔ جسے شک ہو کوشش کر کے دیکھ لے۔ راقم الحروم نے اپنی عمر عزیز کے چالیس سال اسی سعیٔ لاحاصل میں صرف کر دیئے۔

آخر میں اقبال کا ھمنوا ہو کر یہی کہنا پڑا ۔

بو علی اندر غبارِ ناقہ گم
دستِ رومیؔ پردۂ محمل گرفت

۹۔ ارسطو کے فلسفے میں عقول بھی غیر مخلوق ہستیاں ہیں اور ان کی تعداد ارسطو نے ایک جگہ ۴۷ لکھی ہیں دوسری جگہ ۵۵۔ اسی لئے رسل نے یہ لکھا ہے کہ ''ارسطو نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ ان عقول کا خدا سے کیا علاقہ ہے؟ بلکہ ارسطو نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ عقول 'غیر متحرک محرک ہستیاں' ہیں یعنی یہ بھی خدا ہیں''۔

(دیکھو تاریخ فلسفہء مغرب مؤلفہ برٹرینڈ رسل صفحہ ۱۹۱)

۱۰۔ ارسطو کی طبیعات اور دوسری تصانیف کے مطالعے سے یہ بات واضح ہے کہ اس کو ساری دلچسپی طبیعات کے مسائل سے تھی۔ اس علم میں بنیادی مسئلہ ''حرکت'' ہے اس کو اس حرکت کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک ''محرک غیر متحرک'' کا اثبات کرنا پڑا۔ اس کے فلسفیانہ نظام میں خدا کی ضرورت صرف اسی حیثیت سے ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ارسطو اپنی کوشش میں (حرکت کی توجیہہ میں) کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ وہ اس سوال کا کوئی معقول جواب نہ دے سکا کہ آرزو یا تمنا کی غیر جسمانی فعلیت 'فضا یا مکان میں حرکت کس طرح پیدا کر سکتی ہے؟ اس نے جو توجیہہ کی ہے وہ برہان عقلی نہیں ہے محض شاعری ہے اور میرا پچاس سالہ تجربہ یہی ہے کہ جب کوئی فلسفی کسی سوال یا عقلی اعتراض کا جواب نہیں دے سکتا تو وہ تشبیہ یا استعارہ' یا تمثیل یا مجاز یا قیاس یا ظن وتخمین کے دامن میں پناہ لے لیتا ہے اور اہل علم سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ یہ ساری چیزیں شاعری کا زیور ہیں یعنی اس کے لوازم ہیں۔

ہم ارسطو سے پوچھتے ہیں کہ خدا' جو اس کائنات سے قطعاً بے تعلق ہے، اسے کس طرح متحرک کرتا ہے؟ وہ اس کا جواب دیتا ہے کہ ''جس طرح معشوق اپنے عاشق کو متحرک کرتا ہے''۔ ناظرین خود انصاف کریں کہ یہ برہان ہے یا شاعری؟ یہ جواب ہرگز تسلی بخش نہیں ہے۔ اور اگر معترض بھی شاعری کے ''موڈ'' میں آ جائے تو کہہ سکتا ہے کہ اکثر عشاق تو معشوقہ کو دیکھ کر ''ساکت' ہو جاتے ہیں' مطلق حرکت نہیں کرتے!! تو ارسطو کیا جواب دے گا؟

شیخ جلوہ دیکھ کر اس بت کا ساکت ہو گئے
ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چپ ہو گئے

میری رائے یہ ہے کہ جو شخص روح اور مادے کو ازلی تسلیم کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حرکت کو بھی ازلی تسلیم کرتا ہے اسے خدا کے اقرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لئے جین دھرم، سانکھ درشن اور میک ٹیگرٹ نے خدا کا انکار کر دیا۔ ارسطو کے نظام فلسفہ میں خدا محض "برائے بیت" ہے۔ اسے نہ اس عالم سے کوئی علاقہ ہے اور نہ کسی انسان سے کوئی تعلق ہے۔ وہ اپنے ہی خیال میں مستغرق ہے۔ کائنات کا انتظام کرنے کے لئے عقول اور افلاک کافی ہیں۔

اسی لئے میں جین دھرم اور سانکھ درشن کو ارسطو کے فلسفے سے زیادہ معقول سمجھتا ہوں کیوں کہ ان دونوں کی تعلیم یہ ہے۔

(ا) جیو آتما (روح) اور پدگل (مادہ) دونوں انادی (ازلی) ہیں حرکت بھی ازلی ہے۔ اس لئے کسی خالق یا صانع کی ضرورت نہیں ہے۔

(ب) پرش اور پرکرتی دونوں انادی ہیں اس لئے کسی ایشور کی ضرورت نہیں ہے۔ عصر حاضر میں میک ٹیگرٹ بھی اسی لئے خدا کا منکر ہے۔

یہ اور بات ہے کہ ان فلسفوں پر متعدد عقلی اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں جن کی تصریح کا یہ موقع نہیں ہے مگر ان کا یہ کہنا ارسطو کے نظام کے مقابلے میں زیادہ معقول ہے کہ ہم خدا کے بغیر کائنات کی توجیہہ کر سکتے ہیں۔

الغرض ارسطو پر میرا بنیادی اعتراض ہی یہ ہے کہ جب روح اور مادہ اور حرکت تینوں قدیم ہیں تو پھر خدا کو تسلیم کرنے کی ضرورت کیا ہے؟

۱۱۔ ارسطو کا خدا' خدا پرستوں کی مطلق تسلی نہیں کر سکتا ؎

خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

جب وہ ہماری پکار کا جواب نہیں دے سکتا تو ہمیں اسے خدا تسلیم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ بالفاظ دیگر اگر ہم اس کے وجود کا انکار کر دیں تو ہمیں کیا نقصان ہو گا؟ ہمارا کیا بگڑ جائے گا؟ ہماری زندگی میں کیا کمی واقع ہو جائے گی۔

دیکھ لو! طامس ایکوئناس نے ارسطو کے فلسفے کو، رومن چرچ کی الٰہیات کی بنیاد بنانے کی غرض سے اس قدر تبدیل کر دیا کہ اگر ارسطو دوبارہ زندہ ہو جائے تو حیران رہ جائے گا! دراصل سب سے پہلے علامہ ابن رشد نے ارسطو کو مذہبی حلقوں میں مقبول بنانے کے لئے اس کے فلسفے کو حسبِ منشا خویش مفہوم عطا کیا، طامس نے اپنے حصولِ مقصد کے لئے ابن رشد کی پیروی کی۔

(تفصیل کیلئے دیکھو تاریخ نیچرل تھیالوجی مؤلفہ پروفیسر سی سی جے ویب صفحات ۲۳۳ تا ۲۹۱)

۱۲۔ ارسطو کا یہ محرکِ اول نہ خالق ہے نہ رازق ہے نہ حاکم ہے نہ مالک ہے نہ مجیب الدّعوات ہے نہ غفار الذنوب ہے نہ ہمارا حامی ومدد گار نہ کریم کارساز ہے۔ اب محبت کا جذبہ (جو مذہب کی بنیاد ہے) تو خدا اس سے کوسوں دور ہے۔ کیونکہ اگر بقول ارسطو وہ کسی سے محبت کرنے لگے تو اس کے استغراق میں خلل واقع ہو جائے گا یعنی اس کی خدائی باطل ہو جائے گی۔

ارسطو کے تصور واجب لذاتہ پر مزید اعتراضات وارد کئے جاسکتے ہیں مگر میں بخوف طوالت قلم روکتا ہوں، لیکن جو کچھ لکھ دیا ہے اس سے حضرت حکیم صاحبؒ کے اس قول کی صداقت بخوبی آشکار ہو سکتی ہے۔ کیا خوب کہا ہے اکبرالٰہ آبادی نے ؎

عقل کو کچھ نہ ملا علم میں حیرت کے سوا
رنگ بھایا نہ کوئی دل کو محبت کے سوا

ooooooo